سیرت النبیؐ کی روشنی میں اہم سماجی اصول کا تجزیاتی مطالعہ

An Analytical Study of The Important of Social Principles in The Light of The Prophet's Biography

Sajid Ali
PhD Research Scholar, Muslim Youth University Islamabad
Email: sajidalimalik7865@gmail.com

ABSTRACT

There is no doubt that the life of Prophet Muhammad (PBUH) is a beacon of guidance for mankind, whether it is related to worship or dealings. There is no aspect of life that is not covered by the teachings of the Prophet (PBUH). Therefore, we also get important guidance and principles from the Seerat-un-Nabi to make the society better. When we look at the social life of the Prophet (PBUH), we find the principles of Seerat-un-Rasool (PBUH) that are common for all people, such as avoiding pretense and formalities, making honesty a necessary part of life, keeping the covenants made with people, and learning to sacrifice personal rights for the sake of social good. These are very important principles for a good society. Similarly, when we look at how social relations should be with the people of faith in the light of Seerat-un-Nabi (PBUH), we get guidance to strive for the well-being of Muslims, to take special care of Muslims, to treat Muslims with humility and respect, and to honor them. This also fulfills the mutual rights of the believers. In society, where there are believers, there are also hypocrites and disbelievers. Therefore, Seerat-un-Nabi provides us with specific guidelines for dealing with different types of hypocrites and non-Muslims in society, such as confronting the hostile disbelievers and terrorists with severity and protecting Islam from their enmity by guarding its ideological boundaries, especially from atheism and apostasy.

Key Words: Seerat-un-Nabi, principles, guidance, rights

مقدمہ

رسول اللہؐ کو ایک ایسے معاشرے میں بھیجا گیا جس میں اخلاقی اور معاشرتی قوانین کے فقدان کی وجہ سے سماجی تعلقات شدید مشکلات کے شکار تھے۔ اس معاشرے کے باسیوں کے درمیان نفرت، عداوت، باہمی دشمنیاں اور مسلسل لڑائیاں چل رہی تھیں۔ رسول گرامی اسلامؐ نے اپنی تعلیمات سے اس روبہ زوال معاشرے کو یکسر بدل کر نہ فقط مثالی معاشرہ بنایا بلکہ افراتفری، تباہی، سماجی بدعنوانی اور نسلی تنازعات کو ختم کر کے آپس میں وحدت، امن اور ایثار و محبت پیدا کر دیا۔ ہم بغیر کسی شک وشبہ کے یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس قسم کا وحشی معاشرے کو عدل و انصاف پر مبنی اعلیٰ معاشرے میں تبدیل کرنے میں اسلام کے سنہرے اصول اور افکار کا بنیادی کردار ہے۔ ان افکار و اصول وں کے

رسول اللہؐ بحیثیت مفسر قرآن و مبلغ تعلیمات اسلامی حضرت رسول خداؐ پہلے پہل خود پابند ہوئے، پس یہی وجہ ہے کہ کم وقت میں یہ تعلیمات معاشرے میں راسخ ہو گئیں۔

لہذا نو مسلم عرب اسلام کی گہری تعلیمات کو نہ سمجھ سکتے تو ان کے لئے کوئی پریشانی نہیں تھی۔ کیونکہ "انسان کامل"(رسول اسلامؐ) کو خود دیکھ سکتے تھے جو کہ اسلام کے افکار و اقدار کی علامت تھے اور انؐ کی سیرت با آسانی پر عمل کر سکتے تھے۔ جس طرح عصر نبوت کے لوگوں کے لئے حضورؐ کی حیات طیبہ نمونہ عمل تھی اسی طرح آج کے دور کے لوگوں کے لئے بھی یکساں نمونہ عمل ہے۔ اس کی معنویت کو آج بھی درک کیا جاسکتا ہے، کیونکہ ہمارے پاس سیرت محفوظ ہے۔ پس اس کو ہمیں دنیا کے سامنے کماحقہ پیش کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم سیرت کو تمام تر خوبیوں سمیت پیش کر سکیں تو دنیا کا کوئی بھی قانون اور اخلاقیاتی اصول اس کی برابری نہیں کر سکتے ہیں۔ طول تاریخ میں مسلمانوں نے صدر اسلام سے آج تک مسلسل مختلف انداز میں سیرت الرسول کے ہر گوشہ پر قلم فرسائی کی ہے اور یہ کام ہمیشہ جاری و ساری رہے گا۔

زیر نظر مقالہ میں سیرت النبی کی روشنی میں سماجی زندگی کے بعض اصولوں پر بحث کرتے ہوئے درج ذیل سوالات کے جوابات دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

ا: کیا سیرت النبیؐ میں سماجی اصول بیان ہوئے ہیں؟

۲: سیرت النبی میں عامۃ الناس کے لئے کونسے سماجی اصول بیان ہوئے ہیں؟

۳: سیرت النبی میں مسلمانوں اور غیر مسلموں ہر دو گروہ کے لئے سماجی اصول موجود ہیں کہ نہیں؟

یکسانیت و ایمانداری

رسول اللہؐ لوگوں کے ساتھ سماجی زندگی میں مخلص، اور سچے تھے، آپؐ نہ تو خود تصنع و تکلف اسے کام لیتے تھے اور نہ ہی دوسروں کے لئے یہ کام پسند فرماتے تھے۔ یعنی رسول اللہ کبھی بھی یہ کام پسند نہیں فرماتے تھے کہ آدمی اپنی اصل حالت کو چھپا کر لوگوں کے سامنے نیک بننے کی فرضی کوشش کرے ۲۔

اس لئے کہ سماجی زندگی میں بے ایمانی دیمک بن کر تعلقات کو کھا جاتی ہے، اور معاشرے کو تباہ برباد کر دیتی ہے۔ چنانچہ قرآن اس بارے میں فرماتا ہے۔ قُلْ مَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ وَّ مَآ اَنَا مِنَ الْمُتَكَلِّفِيْنَ3۔

آپ کہدیجئے! اس تبلیغ رسالت پر تم سے کوئی معاوضہ نہیں مانگتا اور نہ ہی میں بناوٹ کرنے والوں میں سے ہوں۔

آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: یعنی رسول اللہؐ ان میں سے نہیں تھے، جو غیر موجود صفات اور خصوصیات کو دکھاوے کے طور پر اپناتے ہیں جبکہ حقیقت میں وہ ان سے خالی و عاری ہوتے ہیں ۴۔

چنانچہ حضور کا یہ خاصہ تھا کہ اگر اسے کسی سے دلچسپی نہ ہوتی تو وہ اس کا اظہار نہیں فرماتے تھے، جبکہ اپنے مخالفین تک کے ساتھ دیانت داری سے پیش آتے تھے۔ آپؐ نے کبھی اپنی مادی اور ظاہری شان و شوکت سے لوگوں کو متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی۔ اور نہ ہی آپؐ کا منصب نبوت آپؐ کو دوسروں کے ساتھ رہن سہن سے روکتا تھا۔

چنانچہ حضرت علیؑ رسول خداؐ کی صفات بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔لقد كان يأكل علي الارض و يجلسُ جِلسَةَ العَبد و يخصِفُ بيده نَعلَهُ و يركب الحِمار العاري و يردِف خَلفَه [۵]

آپؐ زمین پر بیٹھ کر کھانا کھاتے اور غلاموں کی طرح بیٹھتے تھے، خود اپنے ہاتھوں سے جوتے ٹانکتے تھے اور کپڑے میں پیوند لگایا کرتے تھے، اور بے پالان گدھے پر سوار ہوتے تھے۔ اور اپنے پیچھے کسی کو بیٹھا بھی لیتے تھے۔

حضرت ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن سلمانؓ رسول اللہؐ کے قدموں پر گرے اور قدموں کا بوسہ لینا چاہا۔ تب آپؐ نے انہیں روکا اور فرمایا: لا تَصنَع بي ما تَصنَعُ الاَعاجم بملوكها; انَا عبدٌ مِن عَبيدالله آكلُ كما يأكل العبد و اَقعُدُ كما يقعُدُ العَبد [۶]

میرے ساتھ ایسا سلوک نہ کرو جیسا عجم اپنے بادشاہوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ میں خدا کے بندوں میں سے ہوں؛ میں وہی کھاتا ہوں جو غلام کھاتے ہیں اور میں غلاموں کی طرح بیٹھتا ہوں۔

رسول اللہؐ کی صدقت اور ظاہر و باطن میں یکساں ہونے کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ نیک و صالح بندے جس قدر آپ کے قریب آتے، اتنا ہی آپؐ سے محبت کرتے، یہاں تک کہ آپؐ کی جان کی حفاظت کے لئے وہ اپنی جان قربان کرنے کے لئے آمادہ ہوتے تھے۔ اور آپ سے محبت کا یہ عالم تھا کہ اصحاب کو آپ کی جدائی برداشت نہیں ہوتی تھی۔ حضرت علیؑ فرماتے ہیں کہ ایک دن انصار میں سے ایک شخص رسول اللہؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یارسول اللہ! آپؐ کی جدائی میرے لیے ناقابل برداشت ہے۔ میں جب بھی آپ کو یاد کرتا ہوں، تو میں اپنی تمام مصروفیات چھوڑ کر آپ کی زیارت کے لئے آتا ہوں تب جا کر سکون ملتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر آپ قیامت کے دن بلند ترین مقام پر چڑھ جائیں اور میں آپ کو نہ دیکھ سکوں تو میں کیسے برداشت کروں گا؟ اس وقت یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۷۔

وَ مَنْ يُطِعْ اللهَ وَالرَّسُولَ فَأُوْلَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللهُ عَلَيْهِمْ مِنْ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُوْلَئِكَ رَفِيقاً۸۔

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا تو ایسے لوگوں کے ساتھ ہو گا جن پر اللہ نے انعام کیا ہے۔یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ بہت اچھے رفیق ہیں۔ اسی طرح حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں:۔ ایسے شواہد موجود ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبیؐ تمام مسلمانوں کے نزدیک سب سے محبوب ترین فرد تھے[۹]۔

وہ لوگ جو دوسروں کے ساتھ تکبر اور مصنوعی طور پر نیک سلوک کرتے ہیں، یا جو خوشامد کے ساتھ خود کو فروغ دینے کی کوشش کرتے ہیں وہ تھوڑی دیر کے لیے توجہ تو حاصل کر سکتے ہیں، لیکن انھیں اپنے دوستوں اور چاہنے والوں سے محروم ہونے میں دیر نہیں لگتی ہے۔اس سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہؐ مخلص ترین اور سچے ہادی و رہبر تھے، جو اپنے کردار سے کی بدولت کے لئے یکساں ہونے کے ساتھ ساتھ محبوب ترین ہستی بھی ہیں۔

پر امن سماجی تعلقات

نبی کریمؐ کا لایا ہوا دین واحد سچا دین اور سیدھا راستہ ہے۔ چنانچہ قرآن فرماتا ہے۔ اِنّ الدین عند اللہ الاسلام[۱۰]

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے اور اسی دین اسلام کا کامل اتباع کا حکم اللہ دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ وَ مَنْ یَّبْتَغِ غَیْرَ الْاِسْلَامِ دِیْنًا فَلَنْ یُّقْبَلَ مِنْهُ[۱۱]

اور جو شخص اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین اختیار کرے گا تو اس کا دین ہر گز قبول نہ کیا جائے گا۔ باوجود قرآن کے فرمان کے بھی رسول اللہؐ معاشرے میں دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو دین مبین اسلام پر زبردستی عمل کرانے کے قائل نہیں تھے، بلکہ آپؐ اپنے اسوہ حسنہ کے مطابق تمام ادیان و مذاہب کے لوگوں کے ساتھ معاشرے میں پر امن زندگی بسر کرنے کے خواہاں تھے۔ چنانچہ رسول اللہؐ جب مکہ سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ میں مختلف اقوام اور ادیان جیسے یہود و کفار وغیرہ بستے تھے، جبکہ اسی مدینہ میں مسلمان بھی آباد ہو گئے۔ ایسے میں مختلف عقائد و افکار اور اقوام کے باہم اختلاط سے معاشرے میں حادثات بھی رونما ہونے کا خطرہ تھا، چنانچہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں بسنے والے دیگر مذاہب سے تاریخی معاہدے کئے تاکہ باہم امن و امان قائم رکھا جاسکے[۱۲]۔

یوں رسول اللہؐ نے ان معاہدوں سے یثرب میں بسنے والے مختلف گروہوں کے حقوق کا تعین اور شہریوں کے لئے انصاف قائم فرماتے ہوئے مدینہ کے غیر مسلموں کو بھی پر سکون زندگی عطا فرمائی حتی کہ جب تک وہ معاہدے کے پابند رہے اپنے مذہبی اعتقادات کے مطابق عمل کرتے ہوئے سکون کی زندگی گزارتے رہے۔ چنانچہ ہمیں تاریخ میں ملتا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدینہ کے نصاری، یہودی اور مشرکین کے ساتھ امن عامہ کے قیام کے لئے مختلف معاہدے فرمائے[۱۳]۔

علاوہ ازایں رسول اللہؐ نے معاہد لوگوں کے باقاعدہ حقوق بیان فرمایا:

آگاہ ہو جاؤ! جس نے کسی معاہد پر ظلم کیا یا اسے نقصان پہنچایا، یا اسے کوئی ایسا کام کرنے پر مجبور کیا جو اس کی طاقت سے باہر ہو، یا اس کی اجازت کے بغیر کوئی چیز لے لیتا ہے تو میں قیامت کے دن اس کے حق میں احتجاج کروں گا[۱۴]۔

یہاں سے ہمیں اس بات کا اندازہ ہوتا ہے کہ باہمی پر امن معاشرے کا قیام ہر مسلمان پر لازمی ہے، کیونکہ یہ رسول اسلامؐ کی سیرت کا حصہ ہے کہ آپ نے اسلام سے دشمنی نہ رکھنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بھی صلح اور امن کے ساتھ پر امن زندگی گزاری ہے۔

عدل وانصاف

اسوہ حسنہ کے اصول وں میں سے ایک بنیادی اصول کہ جس پر آپؐ سختی سے عمل پیرا ہوتے تھے اور دوست و دشمن، مسلم و کافر سب کے حق میں اس کی رعایت کی خواہش فرماتے تھے، وہ عدل و انصاف ہے۔ آپؐ کسی کے ساتھ بھی ظلم کو برا اور ناگوار سمجھتے تھے۔ اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ تمام انبیاء کرامؑ کا بنیادی مقصد معاشرے میں عدل و انصاف کا قیام رہا ہے چنانچہ رسول خداؐ بھی سماجی زندگی میں عدل و انصاف کا بول بالا کرنے کے لئے کوشاں رہے اور پہلے پہل خود اس پر عمل پیرا ہوتے۔ آپؐ انسانوں کے ساتھ عدل و انصاف کی پابندی کو ایک فرض اور حکم الٰہی سمجھتے تھے۔

:وَ اسْتَقِمْ كَمَآ اُمِرْتَ ۚ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ ۚ وَ قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ ۚ وَ اُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ ؕ [۱۵]

اس دین کی جانب دعوت دیتے رہیں اور ثابت قدم رہیں۔ جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے، اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، اور کہیے کہ میں ہر اس کتاب پر ایمان رکھتا ہوں جو اللہ نے نازل کی ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تمہارے درمیان عدل و انصاف کروں۔

رسول اللہؐ کی فکر سلیم میں "انصاف" کی فراہمی عظیم سماجی مفاد ایک اہم عنصر تھا جو معاشرے میں لوگوں کی ترقی میں روح کی حثیت رکھتا ہے۔ بنابریں ذا سیرت نبویؐ میں عدل و انصاف پر کافی سارا مواد ہمیں دیکھنے کو ملتا ہے۔ قرآن رسول گرامی اسلامؐ کو معاد اور قیامت کے پیروکاروں میں سے ایک اہم فرد کے طور پر مخاطب کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ[۱۶]

اے ایمان والو، مضبوطی کے ساتھ انصاف کے علمبر دار ہو جاو۔

حضورؐ کے سماجی انصاف کے لئے کئے جانے والے اقدامات میں سے محض دو اقدامات کو بطور مثال پیش کرتے ہیں۔

ا: سماجی طبقہ بندیوں کے خلاف قیام

بعثت پیغمبرؐ کے وقت دنیا عدم مساوات کی لپیٹ میں تھی، اشرافیہ طبقے نے (ہر خطہ میں ایک خاص انداز میں) عام طبقہ اور عوام کا استحصال کیا ہوا تھا۔ آپؐ نے اس جاگیر دارانہ اور طبقاتی نظام کی جو بنیادی طور پر مادی مال اور طاقت سے پیدا ہوتا ہے، مخالفت فرمائی اور باہمی عدل و انصاف کے شعار کو اپناتے ہوئے فرماتے ہیں: انّ الناس من عهد آدم الي يومنا هذا مثل اسنان المشط[۱۷]

آدم کے زمانے سے لے کر اب تک تمام لوگ کنگھی کے دانتوں کی طرح ایک دوسرے کے برابر ہیں۔

چنانچہ رسول خدا نے انسان کی فضیلت کے معیار کو مادیت سے ہٹا کر تقوی قرار دیا، جو کہ اسلامی تعلیمات کا نچوڑ ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِن ذَكَرٍ وَأُنثَى وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوباً وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللهِ أَتْقَاكُمْ[۱۸]

اے لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے اور پھر تمہیں مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں تقسیم کر دیا ہے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے زیادہ معزز و مکرم وہ ہے جو تم میں سے زیادہ پرہیز گار ہے۔

چنانچہ جب رسول اسلام نے سر زمین حجاز کو فتح کر کے اسلامی ریاست تشکیل دی تو آپؐ نے انہیں اصول وں کو رائج فرمایا۔ اس حوالے سے امام محمد باقرؑ فرماتے ہیں کہ فتح مکہ کے وقت رسول اللہؐ نے اعلان فرمایا:۔ ایّها الناس! انّ اللهّ اذهب عنكم نخوة الجاهلية و تفاخرها بابائها; انّكم منِ آدم(عليه السلام) و آدم من طين. الا انّ خير عباداللهّ عبد اتقاه[۱۹]

اے لوگو! خُدا نے خود پسندی اور آباء و اجداد پر فخر کرنے کو ختم کر دیا ہے، محتاط رہو! تم سب آدم علیہ السلام سے ہو اور آدم مٹی سے ہیں۔ جانو! خدا کے بہترین بندے وہ ہیں جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔

بعض ثروت مند مشرکین مکہ نے جب ایمان لانے کو رسول اللہؐ کے غریب مسلمانوں سے دوری کے عمل سے مشروط کر دیا تو اللہ نے اسے ٹھکرانے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا۔ وَلاَ تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِم مِن شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِم مِن شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ[۲۰]

(اے رسولؐ) ان لوگوں کو اپنے پاس سے نہ دھتکارو۔ جو اپنے پروردگار کی رضاجوئی کی خاطر صبح و شام اسے پکارتے ہیں۔ ان کا کچھ بھی حساب و کتاب آپ کے زمہ نہیں ہے اور نہ ہی آپ کا کچھ حساب و کتاب ان کے زمہ ہے اور اگر آپ نے پھر بھی انہیں دھتکار دیا تو آپ بے انصافی کرنے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

مفسرین اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ:۔

مر الملأ من قريش على رسول اللهؐ صلى اللهؐ عليه و سلم و عنده صهيب و خباب و بلال و عمار و غيرهم من ضعفاء المسلمين، فقالوا: يا محمد أرضيت بهؤلاء عن قومك؟ أ فنحن نكون تبعا لهؤلاء؟ أطردهم عن نفسك، فلعلك إن طردتهم اتبعناك، فقال عليه السلام: «ما أنا بطارد المؤمنين» فقالوا فأقمهم عنا إذا جئنا، فإذا أقمنا فأقعدهم معك إن شئت، فقال «نعم» طمعا في إيمانهم[۲۱]

قریش کا ایک سردار رسول اللہؐ کے پاس سے گزرا، جبکہ آپؐ کے ہمراہ صہیبؓ، خبابؓ، بلال، عمارؓ اور دوسرے مالی اعتبار سے کمزور مسلمان تھے، انہوں نے کہا: اے محمدؐ کیا آپ ان کو اپنی قوم میں شمار کرنے پہ راضی ہیں؟ کیا ہم ان کے برابر ہیں؟ ان کو اپنے درمیان سے نکال دیں، اگر آپ نے ان کو نکال دیا تو ہم آپ کی پیروی کریں گے، آپؐ نے فرمایا: میں مومنوں کو نہیں نکالتا۔ اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سیرت رسولؐ میں عدل و انصاف کی اہمیت کس قدر ہے۔

۲: رسول اللہؐ کی عدالت کو جاری کرنے کی سعی:

حضور اکرمؐ نے سماجی انصاف کے قیام کے لیے بہت سے کام انجام دئے۔ ان میں سے ایک جو اس سلسلے میں بہت اہم تھا، وہ اسلامی حکومت کی تشکیل تھی ۔ رسولؐ کی پاکیزہ فکر میں حکومت سازی کا فلسفہ اسلامی تعلیمات کا احیاء اور معاشرے میں عدل و انصاف کا نفاذ تھا۔ اسی سلسلہ کی ایک کڑی رسول اللہؐ کی جانب سے ریاست اسلامی کے گورنروں کو دئے گئے وہ احکام ہیں جن میں آپ نے عدل کا انتظام کرنے کا سختی سے حکم دیا ہے۔ چنانچہ حضرت عمرو بن حازمؓ کو جب یمن کا گورنر مقرر کیا تو رسول خداؐ نے انہیں حکم دیا کہ جس طرح اللہ نے حق کا ساتھ دینے کا حکم دیا ہے ویسے ہی تم نے حق کا ساتھ دینا ہے، حقداروں کو ان کا حق دینے میں نرمی برتنا اور ستم گروں سے سختی سے پیش آنا، کیونکہ اللہ تعالی نے ظلم کو ناپسند فرماتے ہوئے فرمایا ہے [۲۲]-أَلَا لَعْنَةُ اللهِ عَلَى الظَّالِمِينَ[۲۳]- آگاہ ہو جاو ظالموں پر اللہ کا لعنت ہے۔

اسی طرح رسول خدا نے حکمرانوں کا اہم ذریعہ نجات عدل و انصاف کا قیام قرار دیتے ہوئے فرمایا۔

ايّما وال ولي امر امّتي من بعدي اقيم علي الصراط و نشرت الملائكة صحيفته فان كان عادلا نجاه اللهّ بعدله و ان كان جائراً انتفضّ به الصراط انتفاضة تزايل بين مفاصله حتي يكون بين عضوين من اعضائه مسير مأة عام[۲۴]

جو میرے بعد مسلمانوں کے امور کی ذمہ داری سنبھالے گا اسے پل صراط پر رکھا جائے گا اور فرشتے اس کا نامہ اعمال کھول دیں گے۔ اگر وہ عادل ہوا تو خدا اسے اس کے عدل کے سبب بچالے گا، اور اگر وہ ظالم ہوا تو پل صراط اسے ایسا جھٹکا دے گا کہ اس کے جسم کے جوڑ الگ ہو جائیں گے اور ان جوڑوں کے درمیان کی مسافت سو سال کی ہو گی۔

اس حدیث میں حکمران کی نجات کا ذریعہ عدل و انصاف کو قرار دیتے ہوئے ظالم حکمرانوں کے لئے دردناک عذاب کی وعید سنائی گئی ہے۔

خلاصہ کلام یہ کہ عدل و انصاف پر اسلام نے بہت زور دیا ہے کیونکہ سماجی زندگی میں مساوات کا دار و مدار عدل و انصاف پر ہی ہے پس جن معاشروں میں یہ نظام مفلوج ہو وہ بھیانک صورتحال سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

معاہدوں کی تعمیل

رسول خداؐ سماجی زندگی میں اپنے کئے ہوئے معاہدوں کا اس وقت تک پاس رکھتے تھے جب تک فریق دوئم اسے ختم نہ کرے یا اس کی مدت ختم نہ ہو، آپؐ اس کو ایک خدائی فریضہ سمجھ کر پورا کرتے تھے۔ چنانچہ قرآن عہد و پیمان کے بارے میں فرماتا ہے۔ وَأَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُولًا ۲۵۔ عہد کو پورا کرو یقیناً عہد کے بارے میں پوچھ گچھ ہو گی۔

فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ ۲۶۔

جب تک وہ لوگ تم سے سیدھے رہیں (معاہدوں پر قائم رہیں) تم بھی ان سے سیدھے رہو (قائم رہو)۔

رسول خداؐ کی صفات بیان کرتے ہوئے حضرت علیؑ فرماتے ہیں:۔

کان اجود الناسِ کفّاً و اجرء النّاس صدراً و اصدق الناسِ لهجةً و اوفاهم ذمةً ۲۷۔

رسول اللہؐ سب سے زیادہ عطا کرنے والے، سب سے زیادہ بہادر، سب سے زیادہ سچے اور عہدوں کے سب سے زیادہ وفادار تھے۔ مورخین نے رسول کریمؐ کے مسلمانوں اور غیر مسلموں کے ساتھ کئے گئے عہد و پیمان کی پابندی کے بہت سے واقعات بیان کئے ہیں، ہم یہاں محض دو واقعات کی جانب اشارہ کرتے ہیں:۔

۱: ابو بصیر ثقفیؓ جو کہ مکہ میں قید تھے جیل سے بھاگ کر مدینہ پہنچ گئے، ادہر سے مشرکین نے نبیؐ کو خط لکھا کہ آپؐ اسے ہمیں واپس کر دیں۔ رسول خداؐ نے ابو بصیرؓ سے فرمایا: تم جانتے ہو کہ ہم نے مشرکین سے صلح حدیبیہ کے موقع پر وعدہ کیا ہے، کہ مکہ سے آئے ہوئے مسلمانوں کو واپس ان کے حوالے کر دیں گے لہذا ہماری دینی نقطہ نظر سے عہد کی خلاف ورزی درست نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ آپ اور دوسرے غریب مسلمانوں کے لیے راحت فراہم کرے گا۔ پس اپنے قبیلے کی طرف لوٹ جاؤ ۲۸۔

۲: جب عمرو بن امیہؓ مدینہ کی طرف جا رہے تھے تو اس نے قبیلہ بنی عامر کے دو افراد کو قتل کر دیا جو سو رہے تھے، جبکہ اسے رسول اللہؐ اور بنی عامر کے درمیان ہونے والے معاہدے کا علم نہیں تھا۔ ایسے میں جب وہ مدینہ آیا اور رسول اللہؐ کو ان دو لوگوں کی قتل کی خبر دی تو آپؐ نے فرمایا: تم نے دو آدمیوں کو قتل کیا ہے جن کی دیت ادا کرنا ہو گی۔ پھر رسول

خداؑ نے ان دولوگوں کی دیت دو آزاد مسلمانوں کی دیت کے برابر ادا کی اور ان کے کپڑے اور ہتھیار بھی عامر بن طفیل کے پاس بھیجے اور اس واقعہ کی معافی بھی مانگی[۲۹]۔

سیرت کے ان واقعات کو آج کے دور میں زندہ کرنے کی ضروت ہے تاکہ لوگ باہم سماجی زندگی میں عہد و پیمان کی پابندی کریں جس سے اسلامی معاشرے میں یقین اور بھروسہ پروان چڑھے۔

ذاتی حقوق میں معافی

سماجی زندگی کے لئے سیرت و نبویؐ کے زرین اصول میں سے ایک ذاتی حقوق کو معاف کرتے ہوئے ان پر سے ہاتھ اٹھانا ہے۔ جہاں جرم اور سزا کو معاف کرنے کا عمل مجرم کی تربیت اور اخلاق سنوارنے کا ذریعہ بن سکتا ہو، ان مقامات پر خاتم الانبیاءؐ نے قرآن کے حکم کے مطابق ذاتی حقوق سے دستبردار ہونے کی تلقین فرمائی ہے۔

چنانچہ قرآن اس حوالے سے فرماتا ہے۔خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ۳۰۔

اے نبی عفو درگزر سے کام لیں۔ اور نیکی کا حکم دیں اور جاہلوں سے درگردانی کریں۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طباطبائی لکھتے ہیں: اس مقام پر اخذ کرنے کا مطلب کسی چیز کو لازم کرنا یا اسے ترک نہ کرنا ہے، پس عفو کو اخذ کرو کا مطلب ہے کہ برائی کرنے والے کی برائی کو چھپایا جائے، اور اسی طرح حق انتقام جو کہ انسان کو حاصل ہوتا ہے، اس کو نظر انداز کر کے دوسرے کو معاف کرنا ہے، عفو کا مطلب دوسروں کو اپنے ذاتی حقوق میں چھوٹ دینا ہے، مگر جہاں دوسروں کے حقوق کو پامال کر کے اپنے لئے آسانی پیدا کرنا ہو وہاں عقلی اور شرعی اعتبار سے کسی قسم کا عفو کا تصور نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں معافی لوگوں کو گناہ پر ابھارے گی کہ آپ کسی کا حق ضائع کر کے خود ہی سے عفو کا تصور کر کے بیٹھ جائیں، اس سے قرآن کی وہ تمام آیات منع کرتی ہیں جو ظلم اور فساد کے ممنوع ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔[۳۱]

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: رسول خداؐ نے کبھی بھی ذاتی انتقام نہیں لیا یہاں تک کہ جہاں حدود الہی کی حفاظت کے لئے سزا دینا لازمی ہوتا صرف وہاں سزا دیتے ورنہ آپؐ معاف فرماتے تھے ۳۲۔

جب رسول اللہؐ فاتح بن کر مکہ میں داخل ہوئے تو آپ نے ان تمام لوگوں کو معاف کر دیا جنہوں نے آپ پر ظلم کیا تھا، اور کسی سے انتقام نہیں لیا۔ اگرچہ قریش اور مشرکین مکہ میں ابتدائے اسلام سے لے کر فتح مکہ تک رسول اللہؐ کے ساتھ کسی بھی قسم کی دشمنی اور ایذا رسانی سے باز نہیں آئے تھے، ابوسفیان سے ایک انصار کہہ رہے تھے "الیوم یوم الملحمۃ" آج جنگ و جدال اور انتقام کا دن ہے، یہ بات سنتے ہی آپؐ نے اعلان فرمایا "الیوم یوم المرحمۃ آج رحم و کرم کا دن ہے ۳۳۔ ساتھ ہی آپؐ نے اس آیہ مبارکہ کی تلاوت فرمائی۔

لاَ تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ يَغْفِرُ اللّهُ لَكُمْ وَهُوَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ۳۴۔

یوسف نے کہا: آج تم پر کوئی الزام (اور لعنت ملامت) نہیں ہے، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ بڑا رحم کرنے والا ہے۔ چنانچہ جس طرح حضرت یوسفؑ نے اپنے بھائیوں کی تمام کوتاہیوں یہاں تک کہ اقدام قتل تک کو بھی معاف کر دیا تھا، اسی طرح آپؐ نے قریش کی تمام غلطیوں سمیت آپؐ کا اقدام قتل کو بھی معاف فرما کر کہا۔

اذهبوا انتم الطلقاء ۳۵۔

چلے جاو تم آزاد ہو گئے ہو۔۔

ابو عبد اللہ جدلیؒ کہتے ہیں؛ کہ میں نبیؐ کو اس طرح دیکھتا ہوں جیسے آپ انبیاءؑ میں سے ایک نبی تھے، جنہیں ان کی قوم نے مارا اور آلودہ خوں کر دیا اور آپ کے چہرے سے خون بہہ رہا تھا، (ایسی حالت میں) آپؐ نے فرمایا: اے میرے اللہ! میری قوم کو بخش دے کیونکہ وہ مجھے نہیں جانتی ۳۶۔

خیر خواہی

رسول اللہؐ کی ذات رحمت خدا کی مظہر تھی، اللہ نے آپؐ کو لوگوں کی خیر خواہی کے لئے بھیجا۔

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ۳۷۔

(اے لوگو) تمہارے پاس اللہ کا ایک ایسا رسول آگیا ہے جو تم ہی میں سے ہے، جس پر تمہارا زحمت میں پڑنا شاق ہے تمہاری بھلائی کا حریص ہے، اور ایمان والوں کے ساتھ بڑی شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔

علامہ طباطبائیؒ اس آیت مبارکہ کی تفسیر میں لکھتے ہیں: لقد جاءكم أيها الناس رسول من أنفسكم، من أوصافه أنه يشق عليه ضركم أو هلاككم و أنه حريص عليكم جميعا من مؤمن أو غير مؤمن، و أنه رءوف رحيم بالمؤمنين منكم خاصة فيحق عليكم أن تطيعوا أمره ۔[۳۸]

اے لوگو! تمہارے پاس تم میں سے ایک نبی آیا ہے، اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ تمہارے نقصان اور تباہی کو دیکھ کر غمگین ہوتا ہے۔ اور دوسرا یہ کہ وہ مومنوں اور غیر مومنوں ہر دو کی نجات کے حریص ہے، اور خاص طور پر مومنوں کے لیے فیاض اور مہربان ہے۔ پس تم پر ضروری ہے کہ ان کی پیروی کرو۔

رسول اللہؐ نے اپنے پیروکاروں کو بھی لوگوں کا خیر خواہ بننے کا حکم دیا: أحبب للنّاسِ ما تُحبّ لنفسك تكن مؤمناً[۳۹]۔

جو آپ اپنے لیے پسند کرتے ہو، لوگوں کے لیے بھی وہی پسند کرو، اس صورت میں، آپ مومن ہوں گے۔

مشرکین کے ساتھ رسول اللہؐ کی جدوجہد اور جہاد بھی خیر خواہی پر مبنی تھا۔ جس طرح طبیب جسم کے خراب شدہ عضو کو کاٹ دیتا ہے۔ اسی طرح آپؐ سماج کو تباہی سے بچانے اور انسانی حقوق کے دفاع کے لیے جہاد کیا کرتے تھے۔ آپؐ نے خود مختاری، اقتدار کے حصول اور دنیاداری کے لیے کبھی تلوار نہیں اٹھائی۔ رسول خداؐ اور مسلمانوں نے کبھی بھی مظالم کے لئے تلور نہیں اٹھائی بلکہ معاشرے کو پاک و پاکیزہ بنانے اور لوگوں کی خیر خواہی کے لئے جہاد کیا[۴۰]۔

یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ رسول اللہؐ نے قول و عمل سے یہاں تک کہ تلوار کی ضرورت پڑی تو تلوار سے لوگوں کی خیر خواہی کیا تاکہ سماج میں ہر آدمی سکھ اور چین کے ساتھ رہ سکے۔

مسلمانوں کا خاص خیال رکھنا:

رسول اللہؐ کی سیرت میں مسلمانوں کے ساتھ سماجی زندگی میں کئی اصول کی پابندی کے نمونے ملتے ہیں۔ یہاں چند ایک کو مختصر ابیان کرتے ہیں۔

مسلمانوں سے محبت:

رسول اللہؐ مسلمانوں کے ساتھ نہایت مہربان اور شفیق تھے۔ وہ ان کے دکھوں میں شریک ہوتے، ان کے ساتھ حسن سلوک اور رواداری سے پیش آتے اور ان کے آنسوؤں پر ترس کھاتے، ان کے عیبوں پر پردہ ڈالتے اور ان کے مسائل میں ان کی مدد فرماتے تھے۔ رسول خداؐ اور مسلمانوں کے درمیان محبت اسلامی "بھائی چارہ" پر مبنی تھا جو "محبت الٰہی" کا پرتو ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کی تبلیغ میں کامیابی کا سبب مسلمانوں کے ساتھ دوستی اور ان کے ساتھ نرم سلوک کو قرار دیتے ہوئے فرمایا:

فَبِما رَحْمَةٍ مِنَ اللهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظّاً غَلِيظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوا مِنْ حَوْلِكَ[۴۱]۔

(اے رسولؐ) یہ مہر الٰہی ہے کہ آپ ان کے لیے نرم مزاج واقع ہوئے اور اگر آپ تند خو اور سنگدل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے۔

اسی طرح قرآن کریم ایک اور جگہ پر رسول خداؐ کا مسلمانوں کا خاص خیال رکھنے کو یوں بیان فرماتا ہے۔ بتحقیق تمہارے پاس خود تم ہی میں سے ایک رسول آیا اور مومنین کے لیے نہایت شفیق، مہربان ہے[۴۲]۔

یہی صفت خیر خواہی عصرِ رسول اللہؐ کے مسلمانوں میں بھی رچ بس گئی تھی، چنانچہ قرآن حکیم فرماتا ہے۔

مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ[۴۳]۔

محمد، خدا کے رسول ہیں، اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں، وہ کافروں پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں۔ ان آیات سے سیرت کا ایک اہم پہلو کھلتا ہے کہ رسول اللہؐ مسلمانوں سے بے پناہ محبت فرماتے تھے، آج کا اسلامی معاشرے میں بھی

مسلمانوں کے درمیان سیرت کا اس پہلو کو اجاگر کر کے لوگوں کو بھائی چارہ میں پرو دینے کی ضرورت ہے، تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ شیر وشکر کی مانند رہیں، معمولی باتوں پر لڑائیاں اور جھگڑے نہ کریں۔

مسلمانوں کی تعظیم

رسول اللہؐ اپنی صلاحیتوں سے فائدہ اٹھانے والے اور باکمال لوگوں کی زیادہ عزت و احترام فرماتے تھے، ایسا نہیں تھا کہ ہر قسم کے گفتار و رفتار اور عقیدہ، کا حامل شخص آپ کی نگاہ میں محترم ہو۔ اگر کوئی اللہ کی دی ہوئی صلاحیتوں کو غلط سمت میں استعمال کرتے ہوئے مشرک، فسادی اور بدعنوان بنتا ہے، تو وہ کسی قسم کی عزت و احترام کا لائق نہیں ہے۔ چنانچہ جو بنیادی طور پر فاسد عقائد اور انسانیت کے دشمن تھے رسول خداؐ نے ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی محاز آرائی سے دریغ نہیں فرمایا۔ جبکہ سچے مسلمانوں کی عزت و تکریم آپ نے عملا کرتے ہوئے مسلمانوں کو یوں تشویق دلایا۔

مَن أكرَم أخاهُ المُسلِم فإنّما يكرم اللهّ عَزَّوجَلَّ[۴۴]

جس نے مسلمان بھائی کا احترام کیا بلاشبہ اللہ تعالی اس کا احترام فرمائے گا۔ کیونکہ مسلمان کی قدر و منزلت اس کے خدا سے تعلق کی وجہ سے ہے۔ اسی لئے مسلمان کا احترام سے خدا بندے کا احترام کرتا ہے۔

اور رسول خداؐ نے مسلمان کی تحقیر سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔

لا تَحقرنَّ أحَداً مِنَ المُسلمين فإن صَغيرهُم عنداللهّ كبير[۴۵]

مسلمانوں میں سے کسی ایک کو بھی حقیر مت جانو کیونکہ ان میں سب سے چھوٹا بھی اللہ کے نزدیک بڑا ہے۔

مطلب یہ کہ جس مسلمان کو تم عام طور پر حقیر جان کر تحقیر کر رہے ہو، وہیں اللہ کے نزدیک بہت بڑا مقام و مرتبہ رکھتا ہے۔

ابن شہر آشوبؒ لکھتے ہیں: رسول اللہؐ جب کسی مسلمان کے پاس تشریف لاتے تو سب سے پہلے اس کو سلام کرتے اور اس سے مصافحہ کرتے، اور اگر آپؐ نماز پڑھ رہے ہوتے اور کوئی آپ کے پاس بیٹھ جاتا تو آپؐ اپنی نماز کو جلد ادا کرتے۔ اس کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے: کیا تمہاری کوئی حاجت ہے؟ اور ہر مسلمان جو آپؐ کے پاس آتا تھا اس کی تعظیم کرتے تھے۔ چنانچہ بسا اوقات آپؐ یہاں تک عزت و احترام دیتے تھے کہ اپنے کپڑے اس کے نیچے بچھا دیتے یا اسے اپنی گدی پر بٹھا دیتے۔[۴۶]

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں: رسول خداؐ تمام صحابہؓ کرام کو ایک نگاہ سے دیکھتے تھے، اور صحابہؓ کے سامنے کبھی اپنی ٹانگیں نہیں پھیلائیں۔ سیرت النبیؐ کے ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح آپؐ سماج میں مسلمانوں کو عزت و

تکریم دیتے اور ان کے دکھ درد میں شامل ہوتے آج کے دور میں معمولی سی بات پہ کسی کی اہانت سے گریز نہیں کیا جاتا ہے ،اگر عامۃ الناس تک سیرت کے اس پہلو کو پہنچایا جائے تو لوگ اس پر ضرور عمل کریں گے۔

مسلمانوں کے ساتھ تواضع وانکساری:

رسول اللہ مسلمانوں سے توضع وانکساری سے پیش آتے تھے، اپنا مقام ومنزلت کو لے کر کبھی اپنے پیروکاروں کے سامنے متکبرانہ فخر ومباہات نہیں کیا، آپؐ غریبوں اور مسکینوں کے ساتھ رہتے تھے۔ الغرض ہر قسم کے فخر ومباہاتاور ظاہری امتیازات کے آپ قائل نہیں تھے۔ چنانچہ سیرت کے اس پہلو کا حکم خود قرآن مجید نے رسول اللہؐ کو یوں دیا:۔

وَ اخفِض جَناحَكَ لِلمؤمنين ۴۷

اور مومنوں کے لئے اپنے بازوں پھلائے دیں۔

ایک اور مقام پر اللہ تعالی رسول اللہؐ کو اپنے پیروکاروں کی عزت وتکریم کا حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

و اخفِض جَناحكَ لِمَن اتَّبَعَكَ مِنَ المؤمنين ۴۸۔

اور جو اہل ایمان آپؐ کی پیروی کریں ان کے لئے اپنا بازو جھکاؤ۔

قرآن کا یہ تعبیر کہ (شانے پھیلاو یا جھکاؤ) عاجزی، محبت اور نرمی کا اشارہ ہے۔ جس طرح پرندے جب اپنے چوزوں سے محبت کا اظہار کرنا چاہتے ہیں، تو انہیں اپنے پروں کے نیچے لے جاتے ہوئے حادثات اور خطرات سے بچاتے ہیں، اسی طرح رسول اللہؐ نے بھی فرائض سرانجام دیتے ہوئے مومنین کو دنیاوی واخری مشکلات سے بچانے کے لئے نرمی اور تواضع کا روایہ اپنایا، تاکہ آپ کے سائیہ شفقت کے تلے مسلمان فلاح وکامیابی سے ہم کنار ہو سکیں[۴۹]

رسول خداؐ بعثت سے لے کر وصال تک ۲۳ سال کا عرصہ بلکہ پوری زندگی میں اپنے ساتھیوں کے ساتھ انکساری سے پیش آتے رہے۔ آپؐ کا لباس رہن سہن سب کچھ عام لوگوں جیسا تھا، دیگر مسلمانوں کی طرح آپ کام کرتے چنانچہ مشہور ہے، کہ مسجد نبوی کی تعمیر میں آپؐ خود بھی اینٹیں اور گارا بنا کر پیش کرتے۔ چنانچہ آپ کا فرمان زی شان ہے۔

إذا رَأيتُم المتواضعينَ مِن اُمّتي فَتَواضَعُوا لَهم [۵۰]

جب تم میری امت کے عاجز لوگوں کو دیکھو تو ان کی تواضع وخاطر داری کرو۔

سیرت کے اس باب سے دور حاضر میں یہ سبق ملتا ہے کہ مسلمان کی پہچان بحیثیت مسلمان ہونی چاہئے، کسی کی عزت و احترام کا دارومدار تقوی اور اس کے اسلام پر عمل کے حساب سے ہوتا ہے، نہ کہ اس کی رینک اور عہدے سے، اگر کوئی شخص دہاڑی دار مزدور ہے اور وہ ایمان میں مخلص ہیں، تو اسلام کی نگاہ میں وہ بڑے بڑے عہداروں اور وزیروں سے زیادہ احترام کے قابل ہے۔

مسلمانوں کے ساتھ مل جل کر رہنا:

رسول گرامی اسلامؐ کی سیرتِ مطہرہ یہ رہی ہے کہ سماجی زندگی میں تمام مسلمانوں خاص کر حاجت مند اور غریب مسلمانوں کے ساتھ سرداروں سے زیادہ گھل مل کر رہتے، منافقین و مشرکین کی مجلس کو آپ ناپسند فرماتے تھے، مگر کوئی مصلحت اور ضرورت آن پڑے تو ان کے ساتھ بیٹھ جاتے۔ چنانچہ پہلے بیان ہو چکا کہ رسولؐ کا یہ عمل روسا پر شاق گزرا اور انہوں نے اپنا ایمان کو غریب مسلمانوں سے کنارہ کشی سے مشروط کر دیا جس کو قرآن نے ببانگ دھل رد کرتے ہوئے فرمایا۔

وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ تُرِيدُ زِينَةَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَلَا تُطِعْ مَنْ أَغْفَلْنَا قَلْبَهُ عَن ذِكْرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمْرُهُ فُرُطًا[۵۱]

(اے رسولؐ) جو صبح و شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں، اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں، آپ ان کی معیت پر صبر کریں۔ اور دنیا کی زینت کے طلبگار ہوتے ہوئے ان کی طرف سے آپ کی آنکھیں نہ پھر جائیں۔ اور جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل چھوڑ رکھا ہے، اور اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے اور اس کا معاملہ حد سے گزر گیا ہے اس کی اطاعت نہ کریں۔ تفسیر در منثور میں آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

دخل عيينة بن حصن على النبي صلى الله عليه و سلم في يوم حار و عنده سلمان عليه جبة من صوف فثار منه ريح العرق في الصوف فقال عيينة يا محمد إذا نحن أتيناك فاخرج هذا و --- فانزل الله[۵۲]

جب عیینہ بن حصین کو سلمانؓ کے کپڑوں سے بدبو آئی تو اس نے کہا: یا رسول اللہؐ جب ہم آپؐ کے پاس آئیں تو اس (سلمان فارسیؓ) کو یہاں سے نکال دیں تاکہ ہم بغیر کسی تکلیف کے آپ کے پاس بیٹھ جائیں، اس پر یہ آیت نازل ہوئی ۔

حدیث میں آیا ہے کہ معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے نبی کریمؐ سے فرمایا:

"اے احمد! غریبوں سے محبت کرنا اور ان کے قریب ہونا خدا سے محبت کرنا ہے۔ رسول اللہ نے عرض کیا: وہ کون لوگ ہیں؟ جواب ملا: وہ لوگ جو تھوڑی سی چیزوں پر خوش ہوتے ہیں اور بھوک پر صبر کرتے ہیں اور اسی زندگی کے ساتھ شکر گزار ہوتے ہیں اور جو کچھ کھو چکے ہیں اس سے غمگین نہیں ہوتے"[۵۳]

سیرت النبیؐ کے ان واقعات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سماجی زندگی میں سفید پوش اور مساکین کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا آپؐ کی زندگی کا ایک لازمی جز تھا، آپؐ ہر حال میں مومنین کے ساتھ بیٹھتے اور ان کی دادرسی فرماتے۔

مسلمانوں کی مدد کرنا:

رسول اللہؐ مسلمانوں کی حاجات اور ضروریات کو پوری کرنے کے لئے ہمہ وقت کوشش کرتے تھے۔ ایک مہربان باپ اور بھائی کی مانند آپؐ لوگوں کے ذاتی مسائل کو حل کرنے کی کوشش کرتے اور جو آپ سے بن پاتا وہ کر دیتے یہاں تک کہ جب کوئی کام کسی اور کی مدد سے ہو سکتا ہو تو سفارش کرتے تھے کہ وہ شخص محتاج مسلم کی مدد کریں۔

چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں:۔مَثَل المؤمنین في توادّهم و تعاطُفهم و تراحُمهم مَثَلُ الجَسد اذا اشتكي منه شيء تداعي له سائر الجسد بالسّهر و الحمّي[۵۴]

مدد، ہمدردی اور رحم دلی میں مومنوں کی مثال انسانی جسم کی سی ہے، اگر اس میں کسی جگہ درد پیدا ہو تو بدن کے دوسرے اعضاء اس کے ہمدرد بن جاتے ہیں۔ رسول خداؐ مومنوں کی مدد میں پیش پیش رہتے تھے، چنانچہ آپؐ نے اپنے پاس جو کچھ تھا وہ "اصحابِ صفہ" اور ضرورت مند مومنین میں تقسیم کر دیا، اسی طرح جب عروج اسلام اور فتوحات کے سبب کافی مال آپ کے ہاتھ میں آیا تو آپؐ نے زاھدانہ زندگی گزارتے ہوئے اس مال کو مسلمانوں کی امداد پر خرچ کرتے رہے۔ رسول خداؐ نے ہجرت کے فوراً بعد میثاق مدینہ کے زریعے مسلمانوں کو آپس میں بھائی قرار دیتے ہوئے فرمایا: مومن ایک دوسرے کے دوست اور محافظ ہیں۔ مومنوں کو چاہیے کہ کسی غریب اور مقروض کو تنہا نہ چھوڑیں بلکہ اس کی مدد کریں[۵۵]

حربی کفا اور منافقوں کے خلاف پر عزم جدوجہد:

روئے زمین پر رسول خداؐ اللہ تعالی کا جمال و جلال کا مظہر ہیں۔ جس طرح اللہ تعالی نیکوکاروں اور مظلومین کے ساتھ "ارحم الرٰحیمن" جبکہ بدکاروں اور ظالمین کے ساتھ "اشد المعاقبین" ہیں۔ اسی طرح رسول خداؐ بھی ہمدرد و مہربان تھے۔ جبکہ بعض مواقع پر آپ انتہائی سختی سے پیش آتے اور ہمدردی بلکل نہیں دیکھاتے، چنانچہ رسول اللہؐ جب کسی کو انسانی اقدار یا حدود الہی کی خلاف ورزی کرتے ہوئے دیکھتے تو اس سے سختی سے نمٹتے تھے۔ اس حوالے سے رسول اکرمؐ کے بارے میں امام حسینؑ فرماتے ہیں:۔

"دنیا اور اس کے ناساز حالات سے رسول خداؐ کبھی ناراض نہیں ہوئے، لیکن جب کسی کا حق پامال ہوتے دیکھتے تو آپ نہایت رنجیدہ ہوتے، خلاف ورزی کرنے والے کی حثیت کو دیکھے بغیر آپ تلف شدہ حق کو بحال کرتے، یہاں تک کہ اس معاملہ میں ساری دنیا آپ کی مخالفت کریں تو بھی آپ پرواہ نہیں کرتے"[۵۶]

کفار اور مفسدین کے ساتھ حضورؐ کا سلوک اس حقیقت کو بخوبی ظاہر کرتا ہے، کہ آپؐ معاشرتی اقدار اور دین کی مخالفت کرنے والوں کے ساتھ سختی سے نمٹتے تھے۔ یہاں ان میں سے چند موارد کو زکر کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

کافروں کے خلاف جدوجہد:

اس بات کا بیان پہلے ہو چکا کہ ہجرت کے فورا بعد رسول اسلامؐ نے زمی کفار و اہل کتاب کے ساتھ مختلف معاہدے کر کے معاشرتی امن و امان کے قیام کی کوشش کیا۔ لیکن جو لوگ کافر حربی تھے، اور کسی بھی قسم کے معاہدے کے لئے تیار نہیں ہو رہے تھے قرآن نے ان لوگوں کے بارے میں واضح حکم دیا کہ:۔ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلًّا وَلَا ذِمَّةً ۵۷۔

نہ تو یہ کسی مومن کے حق میں قرابتداری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ عہد کا۔

لہذا رسول اسلام نے عہد شکن کفار و مشرکین کے ساتھ سختی سے مقابلہ فرمایا اور امت مسلمہ کو بھی اس کی عملی تعلیم دی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے رسول خداؐ کی رسالت کے بیان کے ساتھ ہی اصحاب کی دو خصوصیات آپس میں مہربان ہونا اور کفار پر سخت گیر ہونے کو سراہا جس کے بارے میں مفسرین لکھتے ہیں:۔

بلغ من تشددهم على الكفار أن كانوا يتحرزون من ثياب المشركين حتى لا تلتزق بثيابهم و عن أبدانهم حتى لا تمس أبدانهم و بلغ تراحمهم فيما بينهم أن كان لا يرى مؤمن مؤمنا إلا صافحه و عانقه۵۸۔

کفار کے ساتھ مسلمان اس قدر سخت رویہ رکھتے تھے کہ ان کے بدن سے مس شدہ کپڑے کو بھی پہننا گوارا نہیں کرتے تھے تا کہ یہ ہمارا بدن سے مس نہ ہو جائے، اور آپس میں اس قدر رحم دل تھے کہ جب بھی مومنین ایک دوسرے سے ملتے مصافحہ اور گلے ملتے ہوئے نظر آتے تھے۔

قرآن نے رسول گرامی اسلامؐ کو کفار کے ساتھ سختی کا حکم دیتے ہوئے اس پر یوں مامور کیا:۔

يَا أَيُّهَا النَّبِي جَاهِدْ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ۵۹۔

اے نبی! کفاروں اور منافقوں سے جہاد کریں اور ان پر سختی کریں۔

اس آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے، کہ جہاں قرآن نے رسول اسلامؐ کا مسلمانوں کے بارے میں رویہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ کی رحمت سے آپ ان کے لئے نرم خو ہیں اگر سخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ سے دور بھاگتے۔ وہیں پہ یہ حکم دے رہا ہے کہ کفار کے ساتھ آپ اپنا یہ نرم رویہ نہ دیکھائیں بلکہ سختی سے نمٹو۔ ان دونوں آیات کا مفہوم یہی نکلتا ہے کہ:۔ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ ۶۰۔

اور وہ (اپنی) خواہش سے بات نہیں کرتا، وہ تو بس وحی ہے جو ان کی جانب کی جاتی ہے۔

اسی طرح قرآن مجید رسول اللہؐ کو عہد شکن کفار کی سرکوبی کا حکم دیتے ہوئے فرماتا ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ ۶۱

اور اگر یہ لوگ اپنے عہد وپیمان کے بعد اپنی قسموں کو توڑ دیں اور تمہارے دین پر طعن و تشنیع کریں تو کفر کے ان سرغنو سے جنگ کرو، ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔ قرآن کی ان آیات میں عہد شکن کفار اور منافقین کے ساتھ سختی کا حکم دیا گیا ہے، چنانچہ سیرت میں بھی اس کے بہت سے واقعات ملتے ہیں کہ سماجی زندگی میں جن لوگوں نے رسول گرامی اسلامؐ کے ساتھ عہد شکنی کی ان کو تہ وبالا کر دیا۔

دہشتگردوں سے نمٹنا:

اسلام کے نقطہ نظر سے سماج میں امن اسلامی معاشرے کی پہلی ضرورت ہے۔ معاشرے میں امن وامان کے بغیر کوئی بھی کام درست انداز میں انجام نہیں پاسکتا ہے۔ جو لوگ معاشرے میں دہشت پھیلا کر امن عامہ کو تباہ کرتے ہیں ان کے بارے میں قرآن فرماتا ہے: إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الأَرْضِ فَسَاداً أَنْ يُقَتَّلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنفَوْا مِنَ الأَرْضِ ذَٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنيَا [۲۲]۔

بے شک جو لوگ خدا اور رسول سے لڑتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرنے کے لئے دوڑتے ہیں ان کی سزا یہ ہے کہ انہیں قتل کر دیا جائے، یا سولی پر چڑھایا جائے، یا ان کے ہاتھ پاؤں مخالف سمتوں سے کاٹ دئے جائیں، یا جلاوطن کر دیئے جائیں، یہاں کی دنیاوی رسوائی ہے۔

اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے علامہ طباطبائیؒ لکھتے ہیں۔

اس آیت میں مفسدین یعنی اسلامی ریاست میں فساد پھیلانے والوں کے بارے میں حکم دیا جارہا ہے جس پر درج زیل قرائن موجود ہیں [۲۳]۔

۱: و تعقب الجملة بقوله "وَ يَسْعَوْنَ فِي اَلْأَرْضِ فَسٰاداً" يشخص المعنى المراد و هو الإفساد في الأرض بالإخلال بالأمن و قطع الطريق دون مطلق المحاربة مع المسلمين-

آیت میں اللہ اور رسول خداؐ سے جنگ کرنے والوں کے بیان کے ساتھ فورا "فساد فی الارض" کا بیان ہو رہا ہے، جس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ حکم مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے والے کے لئے نہیں ہے، بلکہ مفسدین یعنی زمین میں فساد پھیلانے والوں کے بارے میں ہے، جو امن میں خلل ڈال کر راستہ بند کر کے برپا کیا جاتا ہے۔

۲: على أن الضرورة قاضية بأن النبي ص لم يعامل المحاربين من الكفار بعد الظهور عليهم و الظفر بهم هذه المعاملة من القتل و الصلب و المثلة و النفي-

رسول اللہؐ کی سیرتِ طیبہ میں کہیں یہ نہیں ملتا ہے کہ آپ نے کافر حربی پر کامیابی پانے کے بعد انہیں قتل، سولی، مثلہ اور وطن بدر کیا ہو۔

۳:على أن الاستثناء في الآية التالية قرينة على كون المراد بالمحاربة هو الإفساد المذكور فإنه ظاهر في أن التوبة إنما هي من المحاربة دون الشرك و نحوه.

اس کے بعد والی آیت میں آیا ہے کہ: اِلَّا الَّذِیۡنَ تَابُوۡا مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَقۡدِرُوۡا عَلَیۡہِمۡ ۚ فَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ64

مگر وہ لوگ جو توبہ کر لیں قبل اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ تو جان لو اللہ بڑا بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

توبہ کرنے کی صورت میں انہیں بخشا جائے گا تو توبہ مشرک اور کافر کی نہیں ہوتی ہے، بلکہ صرف مسلمان کی قبول ہوتی ہے لہذا یہاں پر جو حکم دیا جارہا ہے وہ اسلامی ریاست میں دہشت پھیلانے والوں کے بارے میں ہے۔

اسی طرح سماج میں رہزنی کے زریعے سے بدامنی پھیلانے والوں کے بارے میں بھی سختی سے نمٹنے کا حکم دیا ہے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا۶۵۔

چور مرد اور عورت دونوں کے ہاتھ کاٹ دو۔

رسول اللہؐ نے معاشرے کی سلامتی میں خلل ڈالنے والوں پر حدود الہی جاری فرمایا۔ اس سلسلہ میں کبھی کسی سے سمجھوتہ نہیں فرمایا۔ چنانچہ جب فاطمہ مخزومی کی چوری ثابت ہوئی تو آپؐ نے اس پر حد جاری کرنے کا حکم دیا جس پر صحابہؓ نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو رسول اللہؐ کے پاس سفارش کرنے کے لئے بھیجا تاکہ حد معاف کر دیں۔ جب اسامہ نے آپؐ سے معافی کی درخواست کی تو آپ نے ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:۔

إنما هلك الذين من قبلكم أنهم كانوا إذا سرق فيهم الشريف تركوه، وإذا سرق فيهم الضعيف أقاموا عليه الحق، وأيم الله لو أن فاطمة بنت محمد سرقت لقطعت يدها۶۶

تم سے پہلے کی قومیں اسی وجہ سے تباہ ہو گئیں کہ جب ان کا کوئی طاقتور آدمی چوری کرتا تو اسے چھوڑ دیتے تھے، جبکہ کوئی ضعیف چوری کرتا تو اسے اس پر حد جاری کرتے تھے، اللہ کی قسم اگر میری بیٹی فاطمہؓ بھی چوری کریں تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ دوں گا۔

رسول خداؐ کی سیرت کے مطالعہ سے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ حکم خدا کے نزدیک سب برابر ہیں کوئی کسی پر فضیلت نہیں رکھتا ہے۔ اور نہ ہی کسی کو چھوٹ حاصل ہے۔

نظریاتی بدامنی کا مقابلہ

معاشرے کی نظریاتی ثقافت کو نقصان پہنچانے والی چیزوں میں سے ایک "ارتداد "یعنی دین اسلام سے منہ موڑ لینا ہے۔ سیرت النبیؐ پر نظر ڈالنے سے آپؐ اس سے سختی سے نمٹتے ہوئے نظر آتے ہیں، اس کی بعض وجوہات ہیں۔

اولا: ارتداد کا راستہ روکنے کی بنیادی وجہ دشمنان اسلام کی مسلمانوں کے خلاف سازشوں کو روکنا ہے۔

ثانیا: ضعیف الایمان مسلمانوں کا عقیدہ مزید کمزور ہو جاتا ہے۔ ثالثا: اس سے دین کی نشر واشاعت پر بھی برا اثر پڑھتا ہے۔

چنانچہ تاریخ میں ملتا ہے کہ صدر اسلام میں مشرکین و منافقین کا ایک گروہ نے اسلام کی اشاعت کو روکنے کے لئے لوگوں کو دین اسلام سے بد ظن کر کے مرتد کرنا شروع کیا جس کی جانب قرآن نے یوں اشارہ فرمایا:۔ وَ قَالَتْ طَائِفَةٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمِنُوا بِالَّذِي أُنْزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجْهَ النَّهَارِ وَ اكْفُرُوا آخِرَهُ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ۷۲۔

اہل کتاب کا ایک گروہ (اپنے لوگوں سے) کہتا ہے کہ جو کچھ مسلمانوں پر نازل ہوا ہے اس پر صبح کے وقت ایمان لے آؤ اور شام کے وقت انکار کر دو۔ شاید (اس ترکیب سے) وہ مسلمان اپنے دین سے پھر جائیں۔

آیت کی تفسیر کرتے ہوئے مفسرین لکھتے ہیں:۔ان طائفة من اليهود قالت إذا لقيتم أصحاب محمد أول النهار فآمنوا و إذا كان آخره فصلوا صلاتكم لعلهم يقولون هؤلاء أهل الكتاب وهم أعلم منا لعلهم ينقلبون عن دينهم[۶۸]

یہودیوں کے ایک گروہ نے آپس میں طے کر لیا کہ ہم پہلے ایمان لائیں گے، پھر اس سے منہ موڑ لیں گے چنانچہ حسبِ منصوبہ انہوں نے صبح کی فرصت میں اصحابؓ کے سامنے ایمان ظاہر کیا اور شام کے وقت پھر سے اپنے طور پر عبادات انجام دینے لگے تا کہ اصحابؓ ان کو دیکھ کر کہیں کہ یہ ایمان کے بعد دوبارہ سے اپنی دین پر چلے گئے ہیں یہ اھل کتاب ہیں اور ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ ان کا یہ مقصد لوگوں کو دین اسلام سے بد ظن کرنا اور نعوذ باللہ رسول اللہؐ کی تکذیب کرنا تھا۔

تمام مسلم فقہاء شیعہ ہو یا سنی سب کا اس بات پہ اجماع ہے کہ مرتد فطری کی سزا موت ہے اسے قتل کر دینا چاہئے[۶۹]

فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کو مخالفین میں سے جو مقابلہ پر نہ اتریں ان سے جنگ کرنے سے حد المقدور پرہیز کرنے کا حکم دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی شخص ابو سفیان کے گھر میں جا کر پناہ لیں تو بھی وہ محفوظ ہے، جبکہ آپؐ نے ساتھ ہی بعض لوگوں کا نام لیا اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان میں سے ہر ایک کو تلاش کر کے قتل کر دیں۔ انہیں میں سے دو لوگ یہ تھے[۷۰]

۱:عبد اللہ بن سعد بن ابی سرح (قبیلہ بنی عامر سے) جو پہلے اسلام قبول کر چکے تھے اور پھر مرتد اور مشرک ہو کر قریش میں واپس آ گئے [۷۱]

۲:عبد اللہ بن ہلال بن خطل ادرمی (قبیلہ بنی تیم بن غالب سے) جو پہلے اسلام قبول کر چکا تھا اور رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اسے صدقہ جمع کرنے کے لیے مقرر کیا تھا، لیکن یہ مرتد ہوا تھا چنانچہ قتل کر دیا گیا [۷۲]

خلاصہ

سیرت کی روشنی میں بنظر غائر سماجی اصولوں کا مطالعہ کرنے سے تین قسم کے اصول ہمارے سامنے آتے ہیں۔

۱: تمام شہریوں کے بنیادی حقوق کا خیال رکھنا سماج کے تمام افراد خاص کر ارباب حکومت پر لازم ہے۔ اس حوالے سے سیرت سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ ایک شہری من حیث شہری کسی بھی امتیازی سلوک کا حقدار نہیں ہے بلکہ اس کو عدل و انصاف کے ساتھ بنیادی حقوق ملنے چاہئے، اسی طرح لوگوں کو چاہئے کہ آپس میں دیکھاوے اور بے ایمانی سے احتراز کرتے ہوئے ایمان داری اور یکسانیت کو اپنا نصب العین بنائیں۔ سماج کئی لوگوں کے باہم میل جول سے بنتا ہے اس میں جب تک عہد و پیمان کا خیال نہ رکھا جائے باہم مہر و محبت اور اعتماد پروان نہیں چڑھ سکتا ہے، لہذا عہد و پیمان کا خاص خیال رکھتے ہوئے، معاشرے میں جب کسی سے غلطی سرزد ہو تو اسے درگزر کر کے اس کو سدھرنے کا موقع دینا چاہئے۔ اسے طرح معاشرے میں ایک دوسروں کی ٹانگیں کھینچنے کے بجائے خیر خواہ بن کر باہمی تعاون کے ساتھ کاموں کو خیر اسلوبی سے نمٹانا چاہئے۔

۲:اسلام مسلمانوں کا خاص احترام کا قائل ہے چنانچہ یہی وجہ ہے کہ سیرت النبیؐ میں جہاں مستقل طور پر شہریوں کے حقوق پائے جاتے ہیں، وہیں مسلمانوں کے باہمی حقوق بھی ایک مستقل باب ہیں، چنانچہ ایک مسلمان کا پہلا فریضہ یہ ہے کہ وہ اپنا کلمہ گو بھائی کا خاص خیال رکھتے ہوئے اس کے ساتھ تواضع و انکساری کے ساتھ مل جل کر رہیں، کبھی اس کی اہانت نہ کریں بلکہ اس کے ساتھ عزت و تعظیم سے پیش آئیں، جہاں تک ہو سکے اپنا کلمہ گو بھائی کے ساتھ تعاون کریں۔

۳۔ کوئی بھی سماج ہو اس میں مسلمان یا تو اقلیت میں ہوں گے یا پھر اکثریت میں، جب مسلم سماج ہو تو اس میں رہنے والے غیر مسلم کافر ذمی کہلاتے ہیں چنانچہ سیرت النبیؐ کی روشنی میں جب تک ذمی ریاست اسلامی کے قوانین کا پابند ہو اور اعلانیہ طور پر فسق و فجور کا ارتکاب نہ کریں اس کو اذیت پہنچانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر کافر حربی ہو تو اس کے ساتھ پر عزم جد و جہد کرنا اولا تو حکومت اسلامی کا فریضہ ہے ساتھ میں تمام مسلمانوں کو بھی اس کی سرکوبی کے لئے کوشاں رہنا چاہئے۔ اسی طرح منافقین اور دہشتگردوں سمیت الحاد سے بھی سختی سے نمٹنا تمام مسلمانوں کا بنیادی فریضہ ہے تاکہ موحد اور پر امن معاشرہ تشکیل دے سکیں۔

مصادر و مراجع

[1] "تکلّف" کا لغوی معنی؛ دیکھاوا کرنا۔ یعنی ایک شخص کسی ایسی صفت کا حامل اپنے اپ کو ظاہر کرنا چاہتا ہے جو اس میں واقع میں نہیں ہے۔ دیکھئے، ابن منظور، لسان العرب، قم، ادب الحوزہ، ۱۴۰۵، ج۹، ص۳۰۶۔

[2] دیکھئے، عبد الواحد بن محمد، امدی غرر الحکم، قم، دفتر تبلیغات اسلامی، ۱۳۶۶، ج۱، ص۵۷۔

[3] القران، ۳۸:۸۴۔

[4] محمد حسین طباطبایی. المیزان فی تفسیر القران. ۲۰ج. بیروت - لبنان: مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات، ۱۳۵۲-۱۳۵۱۔

[5] سید رضی، نہج البلاغہ، خطبہ ۱۵۸، ترجمہ و حواشی، مفتی جعفر، ناشر، مرکز افکارِ اسلامی پاکستان، ط، ششم، ص۴۴۸۔

[7] دیکھئے، عبد الرحمن بن ابی بکر سیوطی، و ابن عباس، عبد اللہ بن عباس. الدر المنثور فی التفسیر بالماثور. قم - ایران: مکتبۃ ایۃ اللہ العظمی المرعشی النجفی (رہ)، ۱۴۰۴، ج۲، ص۱۸۲۔

[8] القران، ۶۹:۴۔

[9] دیکھئے، محمّد بن عیسی ترمذی، سنن الترمزی، تحقیق عبد الوہاب عبد اللطیف، بیروت، دار الفکر، ۱۴۰۳، ج۵، ص۱۸۳.

[10] القران ۳:۱۹۔

[11] القران، ۳:۸۵۔

[12] دیکھئے، ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، تحقیق مصطفی السقاء و دیگران، بیروت، دار المعرفہ، س، ن، ندادرج ۲، ص۱۴۷.

[14] حسن بن علی ابن شعبہ، تحف العقول، جماعۃ المدرسین فی الحوزۃ العلمیۃ بقم. مؤسسۃ النشر الاسلامی و قم - ایران ۱۳۶۳ ہ. ش. ص۲۷۲۔

[15] القران، ۴۲:۱۵۔

[16] القران، ۴:۱۳۴۔

[17] شیخ مفید، الاختصاص، قم، جامعہ مدرسین، ۱۴۰۴، ص۳۴۱۔

[18] القران، ۴۹:۱۳۔

[19] محمّد بن یعقوب کلینی، الکافی، تحقیق علی اکبر غفّاری، چ سوم، تہران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۸۸ق، ج۸، ص۲۳۱.

[20] القران، ۶:۵۲۔

[21] فخر الدین، محمد بن عمر رازی، و مکتب تحقیق دار احیاء التراث العربی. التفسیر الکبیر. ۳۲ج. بیروت لبنان: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۲۰-۱۹۹۹.

[22] دیکھئے، موسی زنجانی، مدینۃ البلاغۃ فی خطب النبی وکتبہ ومواعظ ووصایاہ، تہران، منشورات الکعبہ، ج۲، ص۱۷۲-۲۷۲.

[23] القران،۱۸:۱۳

[24] علاء الدین متقی ہندی، کنز العمّال، بیروت، مؤسسۃ الرسالۃ،۱۹۸۶م، ج۶، ص۲۰.

[25] القران،۱۷:۳۴۔

[26] القران،۷:۹۔

[27] مجلسی، محمد باقر، بحارالانوار، ج۱۶، ص۲۳۱۔

[28] دیکھئے عبد الرحمن ابن خلدون، تاریخ ابن خلدون، ط، چہ ارم، بیروت، داراحیاء التراث العربی، ج۲، ص۳۵۔

[29] دیکھئے، محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۲۰، ص۱۵۷۔

[30] القران،۱۹۹:۷۔

[31] دیکھئے، سید محمد حسین طباطبایی، المیزان فی تفسیر القران، ج۸، ص۳۷۹۔

[32] ابن سعد، طبقات الکبری، تحقیق محمّد عبد القادر عطاء، بیروت، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۰، ج۱، ص۳۶۷.

[33] دیکھئے، مجلسی، محمد باقر، بحار الانوار، ج۲۱، ص۹۱.

[34] القران،۱۲:۹۲۔

[35] محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۱۷، ص۲۸۰.

[36] ابوعبد اللہ محمد بن اسماعلی بخاری، صحیح بخاری، بیروت، دارالفکر، ۱۴۰۱، ج۶، ص۱۲۳، ح۶۵۳۰.

[37] القران،۹:۱۲۸۔

[38] طباطبایی، محمد حسین. المیزان فی تفسیر القران، . ج۹، ص۴۱۱۔

[39] محدّث نوری، مستدرک الوسائل، قم، مؤسسہ الالبیت، ۱۴۰۸، ج۱۱، ص۱۷۶.

[40] محمّد تقی جعفری، حکمت و اصول سیاسی اسلام، تہران، رستمخانی، ۱۳۷۳، ص۵۰۹-۵۲۰.

[41] القران،۱۵۹:۳۔

[42] القران،۹:۱۲۸۔

[43] القران،۲۹:۴۸۔

[44] شیخ صدوق، من لایحضرہ الفقیہ، چ دوم، قم، جامعہ مدرسین، ۱۴۰۴، ج۴، ص۱۶.

۴۵ محمّد محمّدی ریشہ ری، میز انالحکمۃ، قم، دارالحدیث، ۱۳۷۶، ج۱، ص۶۵۲.

[۴۶] دیکھئے، محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۱۶، ص۲۲۸.

[۴۷] القران، ۱۵:۸۸۔

[۴۸] القران، ۲۶:۲۱۵

۴۹دیکھئے، محمّد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، ج۱۲، ص۲۸۳.

[۵۰] محمّد مہ دی نراقی، جامعالسعادات، نجف، مطبعۃالنعمان، ج۱، ص۹۶.

[۵۱]القران، ۱۸:۲۸۔

[۵۲] عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، وابن عباس، عبداللہ بن عباس. الدر المنثور فی التفسیر بالماثور.، ج۴، ص۲۱۸۔

۵۳ دیکھئے، محمد باقر مجلسی، بحار الانوار، ج۷۷، ص۳۳.

[۵۴] محمد باقر مجلسی، بحارالانوار، ج۴۳، ص۱۵۳.

[۵۵] دیکھئے، شیخ صدوق، الخصال، قم جامعہ مدرسین، ۱۴۰۵، ج۱، ص۱۰۳۔

[۵۶] دیکھئے، ابن سعد، طبقات الکبری، ج۱، ص۴۲۴.

[۵۷] القران، ۹:۸۔

[۵۸] فضل بن حسن طبرسی، رسولی، ہ اشم، ویزدی طباطبایی، فضل اللہ . مجمع البیان. ۱۰ ج. بیروت - لبنان: دار المعرفۃ، ۱۴۰۸. ج۹، ص۱۹۲۔

[۵۹] القران، ۹:۷۳

[۶۰] القران، ۵۳:۲،۳۔

[۶۱] القران، ۹:۱۲۔

[۶۲] القران، ۵:۳۳۔

[۶۳] محمد حسین طباطبائی، المیزان فی تفسیر القران، ج۵، ص۳۲۶۔

[64] القران، ۵:۳۴۔

[۶۵] القران، ۳۸:۵۔

[۶۶] ابن ہشام، سیرت ابن ہشام، ج۴، ص۱۸۵۔

[۶۷] القران، ۳:۷۲۔

[۶۸]عبدالرحمن بن ابی بکر سیوطی، وابن عباس، عبداللہ بن عباس. الدر المنثور فی التفسیر بالماثور. ج۲، ص۴۲۔

[۶۹] شیخ طوسی، الخلاف، قم، جامعہ مدرسین، ۱۴۰۷، ج ۳، ص ۱۴۵ / محمّد حسین نجفی، جواہر الکلام، چ سوم، تہ ران، دار الکتب الاسلامیہ، ۱۳۶۷، ج ۴۱، ص ۶۰۵۔

[۷۰] یعقوبی، احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، بیروت، دار صادر، ج ۲، ص ۵۹۔

[۷۱] ابن ہشام حمیری معافری، :۲۱۸ق، السیرۃ النبویۃ، ناشر، دار المعرفۃ بیروت، ج ۲، ص:۴۰۹۔

[۷۲] دیکھئے، سیرہ ابن ہشام، ج ۲، ص ۴۱۰۔